یہ کج روی ہے

سید محمد یونس بخاری

جمعرات ۲۶ ستمبر کے اخبارات میں عدالت عالیہ لاہور کا ایک گرانقدر فیصلہ نظر نواز ہوا۔ مشمولات کچھ یوں تھے۔

"کوئی مسلمان عورت ولی کی رضی کے بغیر شادی نہیں کر سکتی۔ کسی فقہ کے مقابلے میں قرآن و سنت کے احکام زیادہ اہم ہیں۔ اغوا اور محبت کی شادیوں کے کیس بڑھ رہے ہیں۔ عدالتیں قانونی اصولوں کا اطلاق نہیں کر رہیں۔ بھارتی ٹی وی اور ڈش انٹینا پاکستان کی نظریاتی ثقافت پر حملہ کرتا ہے۔ اسلامی تصور زندگی تباہ ہو رہا ہے۔"

دوسرے روز لاہور کی نامی گرامی لادین اور "ہر فن مولا" خواتین کے احتجاجی بیانات پڑھنے کو ملے جن میں ہندو ثقافت کی دلدادہ ایک "پتنگ باز بسنتی" خاتون نے پاکستانی خواتین کے انسانی حقوق کی محافظت کے لئے سپریم کورٹ میں اپیل کرنے کا اعلان کیا ہے۔

ننانوے فیصد علماء اور عامتہ المسلمین کا ردِ عمل فیصلے کے موافق رہا۔ البتہ ایک صاحب نے تو حد ہی کر دی۔ فرمایا "ہماری فقہ میں شادی باہم ایجاب و قبول ہے اور بس۔ اس میں ولی تو در کنار کسی گواہ تک کی قطعاً ضرورت نہیں"۔ مولانا نقوی کی یہ بات دل میں ترازو ہو گئی۔ اشہبِ خیال لمبے سفر پر چل نکلا۔ سارا یورپ، امریکہ، افریقہ اور ایشیا کے چند ممالک نظروں میں گھومنے لگے جہاں نوجوان خواتین و حضرات کا بطور گرل یا بوائے فرینڈ بغیر شادی کئے اکٹھا رہنا اور والدین بن جانا عہد جدید کا تقاضا ہے۔ تہذیب نو کے ساختہ و پرداختہ اخلاق کا عروج ہے۔ بنیادی انسانی حقوق کا لازمہ ہے۔ ان پر کفر سازی و کفر گری کی تہمت کیوں لگائی جائے۔ انہیں تو فقہی تحفظ مل گیا ہے۔ لنکے تو وارے نیارے ہو گئے۔ ارے واہ...... "کیا رکھوں تیری دلاویزیٔ اظہار کا نام"

علمائے دینِ متین کے نزدیک یہ سراسر غیر شرعی، غیر اخلاقی، غیر تہذیبی اور غیر شائستہ اعمال ہیں۔ یہ محض فطرت کے اسپ بے لگام کی خود سری ہے اور کچھ نہیں۔

یادش بخیر ۱۹۳۵ء میں ترکی کی نامور حریت پسند خاتون دانشور خالدہ ادیب خانم برصغیر تشریف لائیں۔ ڈاکٹر انصاری مرحوم نے انہیں دعوت دی تھی۔ دہلی، علی گڑھ، لاہور و لکھنؤ وغیرہ مقامات پر انہوں نے تاریخی لیکچر دیئے تھے۔ ایک تقریر کا اقتباس ذہن میں انگڑائیاں لے رہا ہے۔ انہوں نے فرمایا:

"تمام غیر مسلم بالخصوص ہندوؤں نے مسلمان قوم کو جذب و ہضم کرنے کی راہیں پیدا کر لی ہیں۔ وہ

اس ملک میں بڑی قوت اور سرگرمی سے جمعیت اسلامیہ کی تخریب کا کام کر رہے ہیں۔ یعنی یہ کوشش جاری ہے جسے سازش کہنا چاہیئے کہ مسلمان کو ہندو قوم میں جذب و فنا کر کے اسکی ملی و قومی ہستی کو مٹا دیا جائے یا اسکے شیرازہ قومی اور جمعیت ملی کو پریشان کر کے برباد کر ڈالا جائے۔"

آج ٹھیک اکسٹھ سال بعد ۱۹۹۶ء میں راجیو گاندھی کی بیوہ سونیا انڈین کلچرل سوسائٹی کے سیمینار میں خطاب کرتے ہوئے کہتی ہے۔:

"پاکستانیوں کے لئے ایٹم بم کی ضرورت نہیں۔ انہیں اپنی فلمیں، ڈرامے کثرت سے دکھاؤ۔ اس کلچرل ایکشن سے یہ مسلمان اپنی موت آپ مرجائیں گے۔"

لاہور کی "بسنتی" سیاست سے وابستہ نام نہاد کلچرل بیگمات کہتی ہیں۔ بسنت ایک تہوار ہے صرف خوشی کا۔ اس پر پابندی نہیں ہونی چاہیئے۔ نوجوان بچیاں گھروں سے بھاگ بھاگ کر اپنے والدین کے بنیادی انسانی حقوق پامال کر کے مرضی کی شادیاں کرتی رہیں، یہ انکا حق ہے۔ اغواء برائے شادی یا فرار برائے شادی کو قانونی تحفظ ملنا چاہیئے۔ عاصمہ جہانگیر آگے آگے ہے۔ ہر تخریبی کیس میں کود پڑنا اس کی عادت ثانیہ ہے۔ عالمی انسانی حقوق کی تنظیموں سے انکا گہرا ربط ہے۔ استعمار کے پرانے شکاری نیا جال لائے ہیں۔ ملت اسلامیہ کو دام ہمرنگ زمیں میں پھانسنا انکا مشن ہے۔ یہ تمام تنظیمیں مختلف حیلوں بہانوں سے مسلم معاشروں کو تہس نہس کرنا چاہتی ہیں۔

اسلامی ممالک میں بالعموم اور پاکستان میں بالخصوص انہوں نے ایک عرصہ سے اُودھم مچا رکھی ہے۔ خاندانی نظام کے خوبصورت پیرہن کو تار تار کرنے کا بندوبست کیا جا رہا ہے۔ عائلی قوانین کا شوشہ اس سلسلے کی پہلی کڑی تھی۔ ناکامی پر فیصلہ ہوا کہ اس گھروندے ہی کو کھنڈر کر دیا جائے۔ "نہ رہے بانس نہ بجے بانسری" پاکستان کی کلچرل اباحیت پسند ڈائینیں عاصمہ جہانگیر کی قیادت میں یہ مکروہ چال چل رہی ہیں۔ یہ خواتین کی نمائندگی کا دعویٰ رکھتی ہیں۔ حالانکہ ننانوے فیصد پاکستانی خواتین ان سے بیزار اور دین مصطفوی کی جانثار ہیں۔ وہ دیانتداری کے ساتھ سمجھتی ہیں کہ

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرار بولہبی

یہ حقیقت نفس الامری ہے کہ مسلم خواتین کی نمائندگی کوئی قادیانی خاتون نہیں کر سکتی۔ یوں بھی انکا یہ راز بعجلت کھل گیا ہے کہ وہ ایسے مفرور طبقہ سے ناطہ رکھتی ہیں جو اسلام اور اسکے طرز معاشرت سے کبیدہ خاطر ہے۔ انکی کوتاہ فکری نے انہیں دین حق کا خودساختہ حریف بنا دیا ہے۔ ایسا حریف جو نت نئے شوشے چھوڑنے ہی میں عافیت سمجھے۔ اسلام کے مبادیات معاشرت پر آئے دن کلوخ اندازی اس بات کی دلیلِ محکم ہے۔ اباحیت، لادینیت و لااخلاقیت کا نظریہ مادیت پرستی کی وہ شکل ہے جو دراصل یورپ کی اندھی تقلید پر مبنی ہے۔

مسلم کو جذب و ہضم کرنے کی راہیں تلاشنا۔ موجودہ عالمگیر اختلال۔ بین الاقوامی انار کی۔ عقیدۂ جدیدیت پرستی عصر حاضر کی سب سے بڑی گمراہی اور تمدن جدید کا مرض الموت ہے۔

وطن عزیز کو وجود پذیر ہوئے پچاس سال ہونے کو ہیں۔ ہم جہاں تھے وہیں کھڑے ہیں۔ اُس وقت کچھ لوگوں نے بعض معاملات میں خدشات ظاہر کئے تھے۔ ہم نے تو اسے خطرات سے دوچار کر دیا ہے۔ جغرافیائی طور پر بھی اور نظریاتی لحاظ سے بھی۔ جدید عصری تعلیمات اور قدیم نصاب تعلیم کے جدا نظاموں نے بہت سی خرابیوں کو جنم دیا ہے۔ معارفِ اسلامیہ کے اجرا کی تدابیر نہ ہونے کے برابر ہیں۔ نسلی، قبائلی اور قومیتی تفریقات پھر سے سر اٹھا رہی ہیں۔ وحدت ملیہ اور اخوت اسلامیہ کے جذبات بوجوہ واماندگی و درماندگی کا شکار ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو۔ کئی ایک مسلم ممالک کے رہنما یان بے مرام غلبہ کفار کی بدولت انکی گرفت میں ہیں۔ انہیں فقط منفرد اقتدار کے تحفظ کی فکر ہے۔ نظام اسلام سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ بنیاد پرستی کو طعنہ سمجھتے ہوئے اغیار کے سامنے صفائیاں پیش کرتے پھرتے ہیں۔ خود کو لبرل کے طور پر پوز کرتے ہیں۔ چاہے ایمان کی قیمت ادا کرنا پڑے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ شرعی اعتبار سے یہ امت بے نظام، بے مرکز اور بے مہار ہو چکی ہے۔ قضا و افتا سلامت ہے نہ نظام شریعت قائم۔ راقم کے خیال میں اسکا حل جو صرف یہ ہے کہ

مسلمانوں کو دین سے خوفناک بے خبری اور شدید بے پروائی کی کربناک کیفیات سے نکالنے کے لئے تعلیم و تبلیغِ دین کی زبردست تحریک چلائی جائے۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد کے باب میں بالکل تہی داماں مسلمانوں کے تہذیب اخلاق اور تزکیہ نفس کا مؤثر بندوبست کیا جائے۔

جدید تعلیم یافتگان دین سے بوجوہ برگشتہ ہو رہے ہیں۔ انکی مراجعت کا انتظام و انصرام لازم ہے۔

طبقات صنعت و حرفت کی اقتصادی بدحالی اور معاشرتی پستی اسلامی اصول معاشرت و اقتصاد کے تحت دور کی جائے۔

کامرس اور انڈسٹری کو سودی سرمایہ داری اور اشتراکیت سے نجات دلانے کی سعی کی جائے۔

جاگیردارانہ استبداد ختم کر کے اہل زراعت کی خوشحالی کے لئے دینی احکام پر عمل کرانا چاہیئے۔

مادر وطن کے اہل سیاست اسلامی سیاست سے کلیتہً ناواقف ہیں۔ اہل حکومت اور ارباب سیاست میں ذوق سیاست دینیہ پیدا کیا جائے۔

اہل درس و تدریس زوال آشنا ہیں تو نصاب تعلیم باعث انتشار۔ انہیں ملی تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کے لئے سیرت محمد ﷺ اور خصائص نبویہ سے سیراب و فیضیاب کیا جائے۔ یعنی علوم جدیدہ و قدیمہ کا حسین امتزاج ہو۔

یہ سب کون کریگا۔ یہ کس کی ذمہ داری ہے۔ میں کئی بار یہی سوال اپنے آپ سے کر چکا۔ ہر بار ایک

یہی جواب ملا۔ ہم سب ذمہ دار ہیں۔ حکومت ذمہ دار ہے۔ اساتذہ ذمہ دار ہیں۔ علما ذمہ دار ہیں۔ ہاں ہاں بالخصوص موجودہ دل شکن حالات میں حقیقتہً علما کا فریضہ ہے کہ وہ آگے بڑھیں۔ نظامِ عدل سے وابستہ دینی اقدار کے محافظوں کی کھلے دل سے حوصلہ افزائی کریں۔ باہمی سر پھٹول چھوڑیں۔ نئی نسل میں اخلاقی و تمدنی دراڑیں ڈالنے والی قانون دان اور "بسنتی" بیبیوں کو باور کرائیں کہ اسلام کسی علاقائی ثقافت میں ڈھلنے یا مدغم ہونے نہیں آیا۔ یہ تو دنیا بھر کی ثقافتوں کو اپنے مخصوص اور مسحور کن رویوں کے مطابق ڈھالنے آیا ہے۔ یہ مُنزل من اللہ ہے۔ کسی فانی انسان کی تخلیق نہیں۔ اس میں تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا۔ مگر یہ جامد بھی نہیں۔ یہ ہر دور کے تقاضوں کا بھرپور ساتھ دیتا اور انکا حل پیش کرتا ہے۔ خواتین کو سب سے پہلے حقِ وراثت اسی نے دیا۔ بیوہ اور مطلقہ خواتین کو باعزت زندگی گذارنے کے لئے نکاح ثانی کا حق بھی سب سے پہلے اسی نے دیا۔ یہ جسے تم مہذب دنیا کہتی ہو۔ یہ تمہارے حسن کو گھنانا چاہتی ہے۔

تمہیں سیرت و کردار اور نظریات و افکار کے شدید ترین بحران میں مبتلا کر کے اپنا مقصدِ "جذب و ہضم" پورا کرنا چاہتی ہے۔ آزادی پابندیوں میں حسین لگتی ہے۔ بقول اقبال

"صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے پا بہ گِل بھی ہے"

جیسے گلاب کا پھول کانٹوں کے درمیان۔ یہ کانٹے پھول کی آزادی کے لئے حفاظتی باڑ ہیں۔ جس مہذب دنیا کی تم بات کرتی ہو اسکی انتہا تو راجہ داہر کے اعمال بد پر ہوتی ہے۔ اس کی عطا کردہ آزادی کے ڈانڈے اسی سے ملتے ہیں۔ مغرب میں اس پر عمل بھی ہورہا ہے۔ مرضی جو ٹھہری۔ آزاد مرضی۔ مادر پدر آزاد مرضی۔ اور اسی آزاد مرضی کو وہاں قانونی تحفظ حاصل ہے۔

میری پڑھی لکھی ماؤں، بہنو، بیٹیو، غور کرو ذرا سوچو تو یہ آزادی نہیں۔ آزاد مرضی نہیں۔ یہ حسن کی دلفریبی نہیں۔ یہ آزادی ناپائیدار آزادی ہے۔ خاندان کی تباہی کا راستہ ہے۔ عزتوں کو ملیا میٹ کرنے کی سبیل ہے۔ ذلتوں کے اندھے غاروں میں گرنے کے مصداق ہے۔ یہ آزاد مرضی نہیں حیوانیت ہے۔ یہ آوارگی ہے، کج روی ہے جو اشرف المخلوقات انسان کے ہر گز شایانِ شان نہیں۔

(بقیہ از ص ۴۱)

سے کتابیں چھین کر جھنڈیاں بناتے ہیں اور اپنے گھروں کو سجاتے ہیں۔ غریب کے گھر میں اندھیرا رکھ کر اپنے گھروں میں قمقمے جلاتے ہیں۔ ۱۹۹۷ء اس آزادی کا پچاسواں سال ہے۔ حکومت آزادی کی گولڈن جوبلی منا رہی ہے۔ ناچ گانوں اور بڑے لوگوں کی بدمعاشیوں پر کروڑوں روپے برباد ہوں گے۔ یوں سمجھے کہ غریب کا ایمان عزت، مال سب کچھ لوٹنے اور بچ کھچا خوں بھی چوسنے کا پروگرام ہے۔ اسی کا نام آزادی ہے؟ لعنت ہے اس آزادی پر!